R.No. 2186/57

Regd. No. 1922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار



# ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلی فون ۔ ۲۰۹
قیمت فی پرچہ سالانہ
پانچ روپے

| جلد ۲۳ - شمارہ ۹ | ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور | یکم مارچ سنہ ۱۹۶۴ء |
|---|---|---|

اداریہ

## مشاعرے اور فلم

ہماری زبان میں نصیرالدین ہاشمی اور خواجہ احمد عباس کے مضامین کے سلسلے میں خاصی بحث رہی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں طرفدار بہت ہیں، سخن فہم کم۔ ایک محقق یا نقاد جب تحقیق و تنقید یا علمی کاموں کی ناقدری دیکھتا ہے تو وہ اُردو زبان کے مستقبل سے یا موجودہ دور سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ایک ہدایت کار اور صحافی جو ادب میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتا ہے، ہر چیز کو فلم اور مشاعرے کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے، اور مشاعروں اور فلموں کی مقبولیت اُسے اُردو زبان و ادب کو بام ترقی تک لے جانے کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے۔ بحث کا یہ طریقہ ناقص ہے۔ اس سلسلے میں پہلے چند بنیادی باتوں پر غور کرنا چاہیئے۔

شعر و ادب تہذیب سے متاثر ہوتے ہیں اور تہذیب پر اقتصادی اور سماجی حالات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اپنی زبانوں اور اپنے ادبیات کی قدر شروع ہوئی ہے مگر یہ قدر ایک خاص تہذیبی اور سماجی ماحول میں ہوئی ہے۔ ملک کے عوام رفتہ رفتہ ہر ادارے پر اثر انداز ہوتے جا رہے ہیں، اُن کی طاقت بڑھ رہی ہے، ملک صنعتی دور میں قدم رکھ رہا ہے، دیہات سے شہر کی طرف میلان ہے۔ کارخانے کھل رہے ہیں۔ ہندوستانی سرمایہ دار قومی سرمایہ بھی بڑھا رہا ہے اور اپنی دولت میں بھی اضافہ کر رہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نہ صرف ہمارے وسائل کو بڑھا رہے ہیں بلکہ ہمارے مزاج پر بھی اثر ڈال رہے ہیں۔ ملک نے سوشلزم کو منزل مقصود قرار دے دیا ہے۔ اس صورت میں ملک کے بہی خواہ، نئی نسلوں کی شخصیت کی تعمیر کے لئے اچھی تعلیم پر زور دیتے ہیں، اچھی تعلیم کی بنیاد مادری زبان میں تعلیم پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ مادری زبان میں تعلیم کے علاوہ اب ملک کی کسی جدید زبان اور انگریزی کی تعلیم بھی ضروری سمجھی جاتی ہے اگر اس تصور کو مقصود بنایا جاتا تو اُردو دوستوں کو شکایت نہ ہوتی، مگر واقعہ یہ ہے کہ ریاستی حکومتیں مختلف وجوہات سے جنہیں سب جانتے ہیں، اُردو کے معاملے میں انصاف کا ثبوت نہیں دیتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُردو زبان کا دائرہ جتنا پھیلنا چاہیئے تھا نہیں پھیلا۔ ہم سب کی کوشش ہونی چاہیئے کہ اس کمی کو دور کرائیں۔ یہ سیاسی سوال ہے اور سیاسی پہلو پر اسے حل کرنا پڑے گا۔ بعض ملک کی اہم سیاسی جماعتوں کو جو بالآخر ہماری قانون ساز جماعتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، اُردو زبان کی تعلیم اور اُس کے چلن کے لئے ہر قسم کی سہولت دینے پر کسی نہ کسی طرح آمادہ کرنا ہوگا۔ اس کام سے فلم اور مشاعرے کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

فلم اور مشاعرے اب ہماری تہذیب کا جزو ہیں۔ یہ ہمارے سماج کے تفریحی مشاغل کا آئینہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ تفریح ایسی ہونی چاہیئے جو زندگی کی یکسانیت میں کچھ تبدیلی پیدا کرے جس سے ذہن کو تازگی ملے جس سے تفریح کے ساتھ کچھ اچھی قدروں کا احساس ہو جو کچھ خوابوں کے ذریعے سے، کچھ حقایق پر نئی نظر ڈال کر بھی ہمیں

### اس اشاعت میں

حقائق کی توسیع کا حوصلہ عطا کرے، کبھی ان حقائق کی بصیرت عطا کرے۔ یہ اچھی تفریح کا معیار ہونا چاہئے، مگر کاروبار اس معیار کو نہیں دیکھتا، ہاں بیدار ذہن اس کاروبار میں بھی معیار کا احساس دلا دیتے ہیں۔ وہ تفریح میں بھی کچھ ذہن کی روشنی کا سامان فراہم کر دیتے ہیں، اچھے فلم کم ہوتے ہیں۔ اچھے مشاعرے بھی کم ہوتے ہیں۔ مگر فلموں اور مشاعروں کے ذریعہ سے آپ ایک بڑے حلقے کو کچھ اچھی قدروں کا احساس دے سکتے ہیں، پھر انکی مخالفت کے کیا معنی، ہاں اس پر اعتراض ضرور کرنا چاہئے کہ فلم یا مشاعرہ جیسے طاقتور تہذیبی ادارے عام طور پر سستی تفریح کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس کے ذہن پر اچھا اثر ڈالنے، زندگی کے امکانات کو روشن کرنے، گہرے حقائق سے روشناس کرانے، سماج، اخلاق، حسن کے اعلیٰ معیاروں کا احساس دلانے کی صلاحیت سے کام نہیں لیتے اس لئے ہم فلم یا مشاعروں کی اصلاح پر زور دیتے رہے ہیں۔ ان کے اثر سے جو انکار کرتا ہے وہ حقائق سے انکار کرتا ہے۔ ان کا آج کی زندگی میں جو رول ہے وہ مسلّم ہے، اس رول سے اب تک ایسا اچھا کام نہیں لیا جا سکا جو لیا جا سکتا تھا گو کچھ لوگوں نے لیا بھی ہے اور ان کی ہمت افزائی بھی ضروری ہے۔ ان کے ذریعہ سے بہرحال اردو کے الفاظ، اس کی کچھ انسان دوستی کی روایات، اس کی شیرینی، اس کے آداب ملک میں پھیلتے اور مقبول ہوتے ہیں مگر یہ اردو کی تعلیم کا بدل نہیں ہو سکتے۔ اردو میں اعلیٰ تحقیق و تنقید کا ذوق یہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اردو ادب کو آگے مقبولیت دلا سکتی ہے یہ اس کے معیار کو بلند نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے زبان کی تعلیم کا بڑے سے بڑے پیمانے پر انتظام ہونا چاہئے۔ پھر اس زبان کی تعلیم کے لئے اچھی کتابیں اور اچھے استاد ہونے چاہئیں، پھر اچھے کتب خانے ہونے چاہئیں، پھر اچھے اخبار اور رسالے ہونے چاہئیں اور ان سب کے فروغ کے لئے ایک اقتصادی ضمانت ہونی چاہئے یعنی یہ مالی اعتبار سے چل سکیں۔ ہمیشہ دلّی میں رہنے کے لئے کھانے کا سوال ضروری ہوتا ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے فلموں اور مشاعروں کی مخالفت غلط ہے۔ ان سے بہت زیادہ توقع قائم کرنا بھی غلط ہے۔ ہاں یہ اردو کی مقبولیت میں ضرور مدد دیتے ہیں، گو اس کے ادب کے معیار کو نہیں بڑھا سکتے۔ بنیادی کام اردو زبان کی تعلیم کا بڑے پیمانے پر انتظام اور اردو کو کاروبار کرنے کے لئے یعنی ادیبوں، اخبار نویسوں، ناشروں، کتب فروشوں کے لئے ایسے وسائل کا انتظام کہ وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں، ہے۔ اردو دوست اس کی طرف مناسب توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ وہ انیسویں صدی کی اردو زبان اور انیسویں صدی کے اردو ادب کو بیسویں صدی کی بدلتی ہوئی زندگی میں بدستور باقی رکھنا چاہتے ہیں، مگر اس کے لئے بھی خود کچھ کرنے کے بجائے دوسروں سے توقع رکھتے ہیں۔ طریقۂ تعلیم میں تبدیلی نہیں کریں گے، رسم خط میں کسی قسم کی اصلاح گوارا نہیں کریں گے، ٹائپ سے دور بھاگیں گے، اردو میں ہندی یا انگریزی کے عام فہم الفاظ آنے نہیں دیں گے، اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھیں گے، قومی زندگی کے دھارے سے دور رہیں گے، جاگیردارانہ مزاج کو قدر اعلیٰ مانیں گے، دوسری زبانوں کے حامیوں سے رشتہ نہیں جوڑیں گے، خود تعمیری کام نہیں کریں گے، تو زبان و ادب کو فروغ کیسے ہوگا۔ فلم والے اپنی فلم اردو کی ترقی کے لئے نہیں بناتے، عام طور پر مشاعرہ کرنے والوں کو اردو ادب کی ترقی سے دلچسپی نہیں ہوتی وہ اردو کی مقبولیت سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ بلاشبہ اس سے کچھ نہ کچھ اردو کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض کرنا اور اس فائدے کو سب کچھ سمجھنا، دونوں غلط ہیں۔ ہماری رائے میں زبان کی مقبولیت اور ترقی کے لئے ہر راستہ ٹھیک ہے، اعلیٰ درجے کا نہ سہی، معمولی درجے کا سہی، نیا تاج محل نہیں بن سکتا تو کیا ہم تعمیر چھوڑ دیں۔ رنگ محل بناتے رہیں گے تو اس طرح سے تاج محل کا امکان بھی ہوگا۔ ہم تو جاسوسی ناولوں کے بھی خلاف نہیں ہیں۔ ان رسالوں کو بھی برا نہیں کہتے جو سستے افسانے اور چٹ پٹی غزلیں چھاپتے ہیں۔ ہم ان کے معیار کو بہتر کرنا چاہتے ہیں، مگر یہ ضرور کہیں گے کہ زبان کی بنیاد کو مضبوط کرنا، نئے نئے ادیب اور شاعر پیدا کرنا، اردو میں اچھی کتابیں، اخبار اور رسالے شائع کرنا اور ان سب کے لئے مناسب وسائل مہیا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ انجمن اس کا احساس عام کرنا چاہتی ہے، وہ سیاہ اور سفید کی قائل نہیں، اس میلی، مٹیالی دنیا میں وہ ہر ذرے کو آفتاب بنانا چاہتی ہے اور جانتی ہے کہ ہماری اس کائنات کی آبرو ایک کوچ سے نہیں، بہت سے سیاروں، چاند ستاروں، کہکشاں سبھی سے ہے۔

---

## اردو ماہنامہ "پونم" حیدرآباد

حیدرآباد سے عنقریب شائع ہونے والے اردو ماہنامہ "پونم" کے مدیر مسٹر ناصر کرنولی نے اردو کے شاعروں اور ادیبوں سے خواہش کی ہے کہ وہ اپنی غیر مطبوعہ معیاری تخلیقات ذیل کے پتے پر روانہ فرمائیں۔ "پونم" کے صفحات تحقیقی، ادبی مضامین، ترجمے، رپورتاژ، افسانے، نظموں اور غزلوں کے لئے مخصوص رہیں گے اور ہر مکتبۂ فکر کے شاعر و ادیب کی معیاری تخلیقات بلا کسی تفریق اور تخصیص کے شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیں گی۔

پونم کا پہلا شمارہ ۳۱ مارچ کو منظر عام پر آجائے گا۔

پتہ

دفتر ماہنامہ "پونم" اعظم پورہ۔ حیدرآباد (آندھرا پردیش)

محمد انصار اللہ نظر

# نیشاپوری خاندان کے شعرا

قدیم اُردو شعرا نے درباروں کی سرپرستی میں رہ کر زبان و ادب کی جو خدمت کی ہے محتاجِ بیان نہیں، دہلی اور لکھنؤ کے شاہی درباروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے نوابوں، جاگیرداروں اور رئیسوں نے بھی اس سلسلے میں بڑے نمایاں کام کیے ہیں۔ سطورِ ذیل میں ہم فیض آباد کے ایک ایسے خاندان کے چند افراد کا ذکر کریں گے جس نے اُردو کے کئی اساتذہ کی سرپرستی کی ہے، مولانا محمد حسین آزاد نے میر حسن خلیق کے سلسلۂ حالات میں اس خاندان کا ذکر کیا ہے :-

"ہونہار جوان کی جوان طبیعت نے رنگ نکالا تھا
کہ قدردانی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور نیشاپوری خاندان
میں پندرہ روپیہ مہینہ کا نوکر رکھوا دیا"

(آبِ حیات = آب ص ۳۶۶)

یہ نیشاپوری خاندان اُردو شعرا کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں، جس قدر بہم پہنچے درج کیے جاتے ہیں۔

اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ میرزا احمد امین نیشاپوری تھے، نواب کلب حسین خاں نادر ان کو "سید" کہتے ہیں لیکن دوسرے تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ یہ "میرزا" تھے۔ غالباً یہ امین خود نیشاپور سے ہندوستان آئے تھے، ان کا شمار اس وقت کے معززین میں ہوتا تھا، سرکارِ اودھ سے اس خاندان کو کچھ علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا تھا۔ ان کے فرزند میرزا محمد تقی خان بہادر شاعر اور شاعر نواز رئیس تھے، مصحفی نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے :-

"اسد الدولہ، رستم الملک، میرزا محمد تقی
خان بہادر ترقی تخلص عرف آغا صاحب خلف
میرزا احمد امین نیشاپوری جوانیست باغ و بہار،
سرو قامتش، بلباس موزونی آراستہ و نخچۂ دستش
بہ حنائی سخاوت پیراستہ عالی دودمانی ایشاں
محتاج بہ شرح و بیان نیست، از ابتدائی شوق
موزونی طبع تا الی الان رجوع از تہ دل بہ اہلِ کمال
و صاحبانِ سخن از عطیۂ دست او زر بہ دست
می آرند، ہر کس و ناکس را محروم نمی گذارد"

(ریاض الفصحا مطبوعہ - ریاض ص ۵۳)

میرزا محمد تقی خان بہادر فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، اور میر سوز دہلوی سے اصلاح لیتے تھے آخر میں غالباً مصحفی سے بھی اصلاح لی، لیکن یہ واقعہ ریاض الفصحا میں ان کے حالات لکھے جانے کے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ میر سوز کا انتقال ۱۲۱۳ھ میں ہوا (بحوالہ دستور الفصاحت۔ دستور حاشیہ ص ۵۱) ان کے انتقال کے وقت ترقی کی عمر اگر بیس سال کی بھی قیاس کریں، تو ان کا زمانۂ ولادت ۱۱۹۳ھ کے قریب کا قرار پائے گا۔ انھوں نے اساتذۂ قدیم مثلاً میر، جرأت وغیرہ کو بھی دیکھا تھا بلکہ صاحبِ آبِ حیات کی ایک روایت کے مطابق ان صاحبوں نے ترقی کے مشاعرے میں شرکت بھی کی تھی۔

"مرزا محمد تقی خاں ترقی کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا
اور تمام امرائے نامی و شعرائے گرامی جمع ہوتے تھے،
میر تقی مرحوم بھی آتے تھے، ایک دفعہ جرأت نے
غزل پڑھی اور غزل وہ ہوئی کہ تعریفوں کے غل سے
شعر تک سُنائی نہ دیتے، میاں جرأت نے یا تو اس
جوش سرور میں ..... یا شوخی مزاج سے میر صاحب
..... سے کہا تو میر صاحب نے جو الفاظ فرمائے وہ
یہ ہیں۔ کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہنا نہیں
جانتے ہو اپنی چو ماچانی کہہ لیا کرو۔" (آب ص ۲۹۵)

جرأت کا انتقال ۱۲۲۴ھ میں (تذکرہ شعرا مصنفہ ابن طوفان، مطبوعہ۔ طوفان ص ۲۷) اور میر کی وفات ۱۲۲۵ھ (دستور ص ۲۲) کا واقعہ ہے۔ میر صاحب نے ۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ کا سفر کیا (طوفان ص ۲۵) اور جرأت ۱۲۱۵ھ میں پہنچے (آب ص ۲۹۱) مذکورہ روایت صاحبِ آبِ حیات نے "تذکرۂ قاسم" کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسے سکسینہ نے بھی قبول کیا ہے (تاریخ ادب اُردو از رام بابو سکسینہ، ترجمہ اُردو سکسینہ ص ۱۹۵) اگر اس روایت کی صحت کا یقین کیا جائے تو یہ واقعہ ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۲۴ھ کے درمیان کا ہونا چاہیے، اور اس صورت میں اس عرصہ میں ترقی کا لکھنؤ میں قیام پذیر ہونا بھی لازم آئے گا۔ ترقی کے لکھنؤ جانے کا ذکر سکسینہ نے کیا ہے :-

"آتش کی ولادت فیض آباد میں ہوئی ......
نواب مرزا محمد تقی خاں ترقی کی ملازمت اختیار کر لی
اور انھیں کے ساتھ لکھنؤ آئے۔" (سکسینہ ص ۲۴۴)

معلوم ہوتا ہے کہ آتش نے کم عمری ہی میں یہ ملازمت اختیار کر لی تھی، شاعری کا شوق لکھنؤ آ کر پیدا ہوا، ایک عرصے کے بعد نواب ترقی کو یہ خیال ہوا کہ فیض آباد میں بعض اچھے شعرا جمع ہو جائیں، میر حسن خلیق پہلے ہی وہاں موجود تھے، آتش کو بھی بُلایا، اس کا بیان آزاد کے لفظوں میں سنیے :-

"ان ہی دنوں میں مرزا تقی ترقی نے چاہا کہ فیض آباد
میں شعر و سخن کا چرچا ہو، مشاعرہ قائم کیا اور خواجہ
حیدر علی آتش کو لکھنؤ سے بلایا۔ تجویز یہ تھی کہ انھیں

"وہیں رکھیں پہلے ہی جلسے میں جو میر خلیق نے غزل پڑھی..... آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص یہاں موجود ہے تو میری کیا ضرورت ہے" ( اب حیات ۲۶۶ )

اس روایت کو سکسینہ نے ( ص ۲۶۸ پر ) اور لالہ سری رام نے (خمخانہ ص ۲۳۱۳ پر ) بھی نقل کیا ہے ، میر خلیق جس وقت مرزا ترقی کے مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے اس کی کیفیت بقول میر علی اوسط رشک یہ تھی :-

"مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولت خانے میں صحبت مشاعرہ مقرر، اور روز مقررہ وہاں ازدحام (کذا) اہل فضل و ہنر یار و ناچار میر مستحسن خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا غزل کھلائی اور ہنرمندوں کی زبان سے واہ واہ پائی۔ چندے زمانہ اسی طور پہ گذرا سنہ ۱۲۳۱ ہجری میں ..... عزم لکھنؤ کا ٹھیرا" (تذکرہ ناصر بحوالہ طوفان ص ۴۳ )

اس مشاعرے کا زمانہ سنہ ۱۲۳۱ھ کے قریب کا ہونا چاہیے، اس کے امکانات ہیں کہ آتش کو فیض آباد سے چلے آنے کے بعد وہاں کی محفلوں کے حالات سے واقفیت نہ رہ گئی ہو، اور دوبارہ جب گئے ہوں تو میر خلیق کی موجودگی میں اپنی ضرورت محسوس کی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کئی بار لکھنؤ آئے اور واپس گئے۔ چنانچہ ان کے ایک اور مشاعرے کا ذکر مولانا محمد حسین آزاد نے کیا ہے :-

"ایک دفعہ میر تقی کے ہاں مشاعرہ میں خواجہ صاحب نے غزل پڑھی کہ شکم کے مضمون میں برج بحر کا تور باندھا تھا۔ طالب علی خاں عیشی نے وہیں ٹوکا انھوں نے جواب دیا کہ میاں ابھی مدت چاہیے ..... ساتھ ہی میر مشاعرہ سے کہا کہ اب کی دفعہ یہی طرح ہو۔

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفہ میں بازی غلام نہیں

وہ بیچارے بھی کسی کے متبنٰی تھے اسی مطلع کو یار لوگوں نے شیخ ناسخ کے گلے باندھا۔ (آب ۳۴۴ )

آزاد کے متعلق تعجب ہے کہ وہ کہیں کہیں مرزا تقی ترقی کو "میر" بھی لکھ جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ان کے متعلق مطمئن نہیں تھے کہ یہ "میر" تھے یا "میرزا"۔

مرزا ترقی کے ایک صاحب زادہ کا ذکر بھی تذکروں میں ملتا ہے ، نادر لکھتے ہیں :-

"دلیر الدولہ نواب محمد علی خان بہادر عرف آغا حیدر فیروز جنگ خلف نواب سدالدولہ رستم الملک سید محمد تقی خان بہادر فیل جنگ نیشاپوری شاگرد فتح الدولہ بہادر" (تذکرہ نادر مطبوعہ - نادر ص ۹۰)

ناسخ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے (ص ۱۴۳ ) معلوم ہوتا ہے کہ یہ اردو ہی میں شعر کہتے تھے ، برق سے تلمذ نے ان کی شاعری کو سنوارا۔ حیدر کے ایک صاحب زادے" نواب والا جاہ بہادر عرف چھوٹے صاحب خلف نواب دلیر الدولہ سید محمد علی خان بہادر عرف آغا حیدر نیشاپوری و فیض آبادی" کا ذکر بھی نادر نے کیا ہے (ص ۲۰۱) ان کے قول کے مطابق ان کا تخلص عاشق تھا صاحب دیوان شاعر تھے، ان کے تلمذ کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ نادر انھیں قدیر (مولوی احمد علی قدیر شاگرد محمد زکی ؟ ) کا شاگرد بتاتے ہیں لیکن لالہ سری رام نے ان کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں؛ وہ سرفراز علی قادر کو ان کا استاد بتاتے ہیں ، مرزا والا جاہ لکھنؤ میں مقیم تھے۔ علوم معانی و بیان ، عروض و قافیہ پہ مہارت رکھتے تھے۔ ان کا دیوان "فیض نشان" سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ سنہ ۱۲۹۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان کی اولاد کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

نیشاپور کے اس خانوادہ کی ادبیات اردو سے دلچسپیوں کا اندازہ حالات مذکورہ سے کیا جا سکتا ہے۔

اب مناسب ہے کہ ان کی شاعری کا بھی مختصر ذکر کر دیا جائے۔ ترقی کی ایک فارسی غزل مصحفی نے نقل کی ہے جو گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مقطع یہ ہے :-

بہ ضبط نالہا کوش اے ترقی     ز فریاد تو خلقی در فغانست

ترقی کے اردو کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حادثات زمانہ پر نگاہ رکھتے ہیں، ان سے اثر لیتے ہیں، دنیا کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے کہ

کوچے سے ہم کو اپنے اٹھاتا ہے کس لئے
بیٹھے ہیں ہم جہان سے اپنا اٹھائے دل

ان کے یہاں عشق کا تصور کم و بیش وہی ہے جو قدیم دہلوی شعرا کے یہاں تھا۔ وہ محبوب کی اداؤں، اس کے خصائل اور اطوار کے ذکر پہ زیادہ زور دیتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ اس کے اعضائے بدن کی مدح سرائی کریں۔ محبوب کے متعلق کتنا اچھا مضمون نظم کیا ہے۔

اک دل تجھے مدام ستانے کو چاہیئے
تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

یہ مضمون غزل کے مزاج سے کس قدر مطابق ہے بوس و کنار کا ذکر شعرائے لکھنؤ کے یہاں عام ہے لیکن ترقی اس سلسلے میں محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شعر سنئے۔

لیا جو ترک ادب کر کے خواب میں بوسہ
خطا تو ہے یہ سزاوار انتقام نہیں

(باقی ص ۱۰ پر)

اسرار اکبرآبادی

## نظر لگ نہ جائے

(ہولی کے موقع پر)

سمندر کی چھاتی پہ جھکتے ہیں بادل
نظاروں کے رُخ سے ڈھلکتے ہیں آنچل
چھنا چھن چھنکتی ہے لہروں کی پائل

گلشن مہکا مہکا، ہوائیں شرابی
چمن مہکا مہکا، فضائیں گلابی
بدن پھول سے ہیں تو چہرے کتابی

نگاہوں میں شوخی، لبوں پہ ترانے
طلسمِ حقیقت، وفا کے فسانے
مبارک مبارک یہ رنگیں زمانے

نرالی ادائیں ہیں سرشاریاں ہیں
جوانی کے ہاتھوں میں پچکاریاں ہیں
فضاؤں میں رنگوں کی گلکاریاں ہیں

یہ پُرکیف منظر، یہ نغموں کی محفل
یہ پھولوں کا آنگن، بہاروں کی منزل
بچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل

زمیں کو کسی کی نظر لگ نہ جائے
محبت سے کہہ دو کہ جادو جگائے

## غزلیں

رحمٰن ساجد

"ہجومِ آرزو ہے اور میں ہوں"[1] — مسلسل جستجو ہے اور میں ہوں
خدا جانے مری منزل کہاں ہے؟ — جہانِ رنگ و بو ہے اور میں ہوں
نہیں ہیں آج وہ محوِ تبسم — قیامت روبرو ہے اور میں ہوں
چھڑے کیونکر نہ ذکرِ رازِ الفت — مری جاں صرف تو ہے اور میں ہوں
جہاں کیا! اور فکرِ دو جہاں کیا؟ — کہ ساغر ہے سبو ہے اور میں ہوں
صداقت رنگ لائی زندگی میں — کہ ہر سو اب عدو ہے اور میں ہوں
غنیمت ہے کہ سر کٹ جائے ساجد — وطن کی آبرو ہے اور میں ہوں

م۔ بے چودی

ہائے کیسی یہ بزمِ ماتم ہے — جس طرف دیکھو آنکھ پُرنم ہے
چھوٹنے والے پہ خیال رہے — تیرے جینے کا آسرا کم ہے
جانے اُس غم زدہ پہ کیا گذری — چاند کی روشنی بھی مدھم ہے
تم نے مجھ کو بھلا دیا دل سے — یہ نوازش تمہاری کیا کم ہے
میں نے ویسے ہی بات کہہ دی تھی — آپ کا کیوں مزاج برہم ہے

[1] یہ مصرعہ حضرت ... آل صدیقی کا ہے (رحمٰن ساجد)

## حلقۂ اربابِ ذوق لدھیانہ

حلقۂ اربابِ ذوق لدھیانہ کے زیرِ اہتمام مورخہ ۸ فروری کو بوقت ۸ بجے شام گورنمنٹ کالج لدھیانہ ہال میں ایک عظیم الشان آل انڈیا اُردو مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مندرجۂ ذیل شعرائے کرام نے دو بجے رات تک اپنے منتخب کلام سے سامعین کو محظوظ کیا:۔ حضرت جوش ملسیانی، جناب جگن ناتھ آزاد، جناب بسمل سعیدی، جناب کرپال سنگھ بیدار، جناب پورن سنگھ ہنر، جناب اختر رضوان، جناب سرجن لال ساحر، جناب ساحر ہوشیارپوری، جناب شعری بھوپالی، جناب انور مرزاپوری، ڈاکٹر شفا گوالیاری، پروفیسر دلاور فگار، پروفیسر اے۔ سی بہار، محترمہ یاد دہلوی، جناب بیکل اتساہی، جناب شمسی مینائی، جناب قتیل باندوی، جناب حیات وارثی، جناب طالب شملوی، جناب فانی جالندھری، جناب کرشن ادیب اور میاں اجیت راج سنگھ شاد۔

مسندِ صدارت پر ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی جلوہ افروز تھے اور اسٹیج سکریٹری کے فرائض پروفیسر اے۔ سی بہار اور بعد ازاں جناب ساحر ہوشیارپوری نے سرانجام دئے۔ لدھیانہ کے سابقہ مشاعروں کی طرح اب کی بار بھی مشاعرہ نہایت کامیاب رہا اور حاضرینِ محفل نے شعرا کو دل کھول کر داد دی۔ (اے سی بہار سکریٹری)

## نقلی نصابی کتابوں کی فروخت سے دس کروڑ کا نقصان

(بحوالہ سیاست جدید) نقلی نصابی کتابوں کے خلاف کل ہند کمیٹی کی ایک سروے رپورٹ کے بموجب سات صوبوں کو کتابوں کے نقلی شماروں کے کاروبار کا نشانہ بننا پڑا ہے جس کے نتیجہ میں متعلقہ صوبائی حکومتوں کو دس کروڑ روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ متاثرہ صوبے یو۔پی، مدھیہ پردیش، مغربی بنگال، بہار، پنجاب، مہاراشٹر اور اڑیسہ ہیں۔ مغربی بنگال میں حکام نے فوری طور پر قدم اٹھایا اور اس چیلنج کا مقابلہ بہت بڑی تعداد میں نصابی کتابوں کی بازاروں میں بھرمار کر کے کیا جن کی قیمتیں مقابلتاً کم رکھی گئیں۔ اس کے باوجود کتابوں میں تقریباً چالیس فی صدی سکنڈری اور اس سے نچلے اسکولوں کے لئے ضلعوں میں فروخت ہوئی ہیں وہ یا تو نقلی ایڈیشن ہیں اور معیار سے گھٹیا درجے کی ہیں۔ مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر میں اصلی نصابی کتابوں کو بازاروں میں پہنچنے سے باز رکھا گیا اور تین لاکھ روپے سے زائد کی مالیت کی نصابی کتابوں کو ردی کاغذ کے طور پر فروخت کر دیا گیا۔

مراسلات

# گلدستۂ بہارِ سخن رتلام

"ہماری زبان" مورخہ ۱۷ اکتوبر ۹۳ء و یکم جنوری ۹۴ء کی اشاعتوں میں بسلسلۂ "گلشن داغ" جناب سید فضل المتین صاحب کے دونوں مراسلے میری نظر سے گزرے۔ چنانچہ میں نے "گلشن داغ" خصوصاً جناب طالب اکبرآبادی شاگرد حضرت غالب مرحوم کے متعلق مقامی طور پر کافی چھان بین کی مگر افسوس ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود نہ تو 'گلشن داغ' کا کوئی شمارہ دستیاب ہو سکا اور نہ ہی جناب طالب اکبرآبادی کے متعلق کچھ معلوم ہو سکا۔ البتہ اسی چھان بین کے دوران میرے ایک مقامی کرم فرما جناب عترت حسین صاحب کے پاس 'بہارِ سخن' نامی گلدستہ کے چند شمارے نہایت ہی بوسیدہ حالت میں پائے گئے جو موصوف کو موصوف کے جد امجد جناب غفور بخش صاحب غفور (تلمیذ جناب مولوی عبدالحق صاحب عبد مولوی سنٹرل کالج رتلام و مہتمم مطبع رتن پرکاش رتلام) سے ورثے میں ملے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ 'گلشن داغ' نامی گلدستہ رتلام سے شایع نہیں ہوتا تھا۔ سابقہ ریاستی ریکارڈ و معتبر عمر رسیدہ اشخاص کے بیان کے مطابق یہاں سے نہ صرف 'بہارِ سخن' و 'گلشن داغ' نامی گلدستے شایع ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ایک روزنامہ بھی "رتن پرکاش" کے نام سے شایع ہوا کرتا تھا افسوس ہے کہ 'گلشن داغ' کی طرح "رتن پرکاش" کے شمارے بھی مفقود الخبر ہیں۔ بہر حال پیش نظر گلدستۂ 'بہارِ سخن' پر 'ہماری زبان' کے ان قیمتی صفحات پر روشنی ڈال رہا ہوں تاکہ ان حضرات کو کچھ مدد مل سکے جو پُر اپنے اردو اخبارات و رسائل پر تحقیق کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

گلدستۂ 'بہارِ سخن'، رتلام مہاراجہ رنجیت سنگھ جی صاحب بہادر والیِ ریاست رتلام (حال مدھیہ پردیش) کے دورِ حکومت میں جنوری ۱۸۸۶ء مطابق ۱۳۰۳ھ میں جاری ہوا تھا، اور ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مطبع رتن پرکاش رتلام سے طبع ہو کر شایع ہوا کرتا تھا۔ یہ گلدستہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اور سائز 'گلشن داغ' کے مقابلے میں نصف ہے۔ سرورق پر جلی حروف میں 'بہارِ سخن'، رتلام اور اس کے نیچے جناب بسنتی لال صاحب رئیس مندسور (حال مدھیہ پردیش) کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ درج ہے۔

بہارِ سخن پرچۂ بے نظیر ... شدہ مشتہر چوں بطرز عجب
چو شد جلوہ گر فکر تاریخ گفت ... سنِ ہجریش "پرچۂ منتخب"

۱۳۰۳ ہجری

اس کے نیچے پرچے کے مالک و مہتمم و مرتب کی حیثیت سے جناب رام کشن صاحب جوشؔ اسسٹنٹ ماسٹر سنٹرل کالج رتلام کا اسم گرامی درج ہے۔ سرورق کی پشت پر پرچے کی حسب ذیل شرائط درج ہیں۔ (نقل مطابق اصل):-

دفعہ ۱۔ یہ پرچہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو شایع ہوا کرے گا۔
دفعہ ۲۔ قیمت اس کی عام سے ایک روپیہ سالانہ مع محصول ورؤسا سے بقدرِ فراخ دلی۔
دفعہ ۳۔ اول غزلیات طرحی بعد غیر طرحی باعتبار تخلص کی حروف ابجد کی ترتیب پر درج کی جاویں گی۔
دفعہ ۴۔ جواب طلب امر کے لیے جوابی پوسٹ کارڈ ہونا چاہیے۔
دفعہ ۵۔ سوائے پھڑکتی ہوئی غزلوں اور چوٹی کے اشعار کے وانتخاب گلدستہائے دیگر گاہ گاہ مضامین مفید بھی درج ہوا کریں گے اور انتخاب کمیٹی کی رائے پر ہو گا۔
دفعہ ۶۔ نمونہ کا پرچہ دو آنے قیمت پر مل سکتا ہے۔
دفعہ ۷۔ پرچہ خدمت میں پہنچنے پر اگر کوئی صاحب سکوت اختیار کریں تو سال بھر کی قیمت کے ذمہ دار ہو چلے۔
دفعہ ۸۔ قیمت بذریعہ پوسٹل نوٹ یا منی آرڈر روانہ کرنا چاہیے۔
دفعہ ۹۔ قیمت اور ہر قسم کی تحریر بنام ماسٹر رام کشن جوشؔ مالک و مہتمم گلدستہ بہارِ سخن آنا چاہیے۔
دفعہ ۱۰۔ شعرائے نازک خیال کو غزلیں یوم اشاعت سے بیس روز پیشتر بھیجنا چاہیے ورنہ شایع ہونے سے رہ جاویں گی۔

پیش نظر گلدستہ کے ہر شمارے میں ابتدائی صفحہ کے بالائی حصہ پر ہر ماہ کا علیحدہ طرحی مصرعہ درج ہے اور اس کے بعد غزلیات طرحی یا ان کے منتخب اشعار پرچہ کی دفعہ ۳ کے مطابق درج ہیں۔ جو شعرا پابندی کے ساتھ ہر ماہ ہر شمارے میں شریک اشاعت پائے گئے ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:-

حضرت داغؔ دہلوی۔ حضرت امانتؔ لکھنوی۔ مولوی عبدالحق صاحب عبدؔ مولوی سنٹرل کالج رتلام۔ ماسٹر رام کشن صاحب جوشؔ مالک و مہتمم بہارِ سخن رتلام۔ مولوی قادر علی صاحب شوقؔ پروپرائٹر بہارِ سخن رتلام۔ مولوی نظام الدین صاحب نظامؔ گلشن آبادی (جاورہ)۔ مرزا اشرف یار خاں صاحب شرفؔ گلشن آبادی (جاورہ) تلمیذ حضرت داغؔ دہلوی۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ حیاؔ گلشن آبادی (جاورہ)۔ قاضی امیر الدین صاحب آمیرؔ متوطن رتلام۔ انوپ سنگھ صاحب نورؔ مدرس مدرسہ فارسی رتلام۔ غفور بخش صاحب غفورؔ تلمیذ حضرت عبدؔ۔ مولوی سید عبدالعلی صاحب شمسیؔ گوالیاری مصاحب والیِ دتیا۔ پنڈت شیو ناتھ صاحب عاشقؔ تلمیذ حضرت نظامؔ گلشن آبادی۔ اوستاد صاحب رئیس رتلام شاگرد جناب حیاؔ صاحبہ گلشن آبادی۔ منشی خوبچند صاحب عاشق

محرر فوجداری رتلام ۔ گوشاری پرگھستاتھ سنگھ صاحب افضل متوطن رتلام ۔ مرزا محمود علی صاحب انجم ملہار گڑھ علاقہ ریاست جاورہ۔ منشی عبدالحفیظ خاں صاحب حفیظ جاورہ ۔ فائق صاحب رتلامی ۔ سلطان محمود خاں صاحب سحبان جاورہ ۔ عبدالمجید صاحب عاجز رئیس جاورہ ۔ پیر محمد خاں صاحب اختر محرر گیرائی رتلام ۔ سید حبیب شاہ صاحب برق رام پوری حال وارد جاورہ۔ حاجی اللہ بخش صاحب برق قصبہ کھاچرود ضلع اُجین ۔ قاسم علی خاں صاحب قاسم پرگنہ اونہیل ضلع اُجین ۔ منشی جگناتھ صاحب آزاد خوش نویس مطبع رتن پرکاش رتلام ۔ منشی پریم نارائن صاحب بسمل دیواس ۔ جمال الدین صاحب جمال شاگرد حضرت عبد ۔ منشی رام بخش صاحب رام محافظ دفتر محکمۂ صدر عدالت رتلام ۔ منشی پیارے لال صاحب شائق ۔ منشی بالمکند صاحب شاد تلمیذ حضرت عاشق لکھنوی ۔ جناب کنہیا لال صاحب عاجز کھاچرود ۔ محمد عبدالرؤف صاحب نور درؤف اندور ۔ محمد اللہ صاحب عشرت قاضی زادۂ شہر پرتاب گڑھ ۔ گمنام صاحب بانسواڑہ ۔ حاجی محمد صاحب سکین رتلام ۔ منشی سید علی صاحب حامد متوطن کھاچرود ۔ حافظ آفتاب علی صاحب اسد رامپوری حال وارد رتلام ۔ منشی عبدالکریم صاحب فروغ دیوبندی ۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تذکرہ شعراء میں سے چند کو چھوڑ کر باقی تمام شعراء مالوہ کی ان چھوٹی چھوٹی سابق ریاستوں سے متعلق ہیں جو بشکل اکائی وطن عزیز کا ایک بڑا صوبہ "مدھیہ پردیش" کہلاتی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مدھیہ پردیش کو ہندی کا علاقہ قرار دے دیا گیا ہے جبکہ مدھیہ پردیش میں ضم ہونے والی بیشتر ریاستیں خالص اُردو کا علاقہ رہی ہیں ۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بہار سخن سنہ ۱۸۸۹ء میں جاری ہو کر کب تک جاری رہا اس لئے کہ جناب عشرت حسین صاحب کے پاس سنہ ۱۸۸۹ء کے سات شمارے اور سنہ ۱۸۹۲ء کے صرف تین شمارے موجود ہیں ۔ گلدستہ ہذا کے ہر شمارے کے آخری صفحہ پر مولوی قادر علی صاحب شوق پروپرائٹر بہار سخن کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ درج ہے ۔

| | |
|---|---|
| بہار سخن جب کہ جاری ہوا | ہوا شوق کو فکر تاریخ کا |
| بعجلت سن عیسوی شوق نے | بہار سخن کیا ہی خوش ہو کہا |

(حامد گلشن آبادی)

## ڈاکٹر عبدالحق (مدراس) کے متعلق معلومات

ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم (کرنول مدراس) کی سوانح حیات کی ترتیب کے سلسلے میں قارئین ہماری زبان سے امداد کی درخواست ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت، اُن کے کارنمایاں اور ان کی زندگی کے متعدد پہلو، ان کے متعلق جو اصحاب بھی جس قسم کی معلومات فراہم کر سکیں یا ایسے افراد کا پتہ فراہم کر سکیں جو ان سے قریبی تعلق رکھتے تھے، یہ میرے لئے تشکر اور ممنونیت کا باعث ہوگا ۔

نیز ڈاکٹر صاحب کے مضامین، خطوط، تقاریر کی نقل اور آٹوگراف وغیرہ بھی جن کے پاس محفوظ ہیں وہ براہ کرم مجھے مطلع فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں ۔

میرا پتہ : مسز ذاکرہ غوث ۔ ۱۲۵ مو بریس روڈ ۔ رائی پیٹھ مدراس ۱۴

## خان ؟

یکم فروری سنہ ۶۴ء کے شمارے میں محترمہ نجمہ سمیع کا مراسلہ نظر سے گذرا ۔ یہ سر سید احمد صاحب خان کب سے ہو گئے ؟ میں نے تو بچپن میں پڑھا تھا کہ حکومت نے ان کو خان بہادر کا خطاب دیا تھا اور لوگ انھیں سر سید احمد خان بہادر لکھا کرتے تھے ۔ تعجب ہے کہ کوئی مراسلہ "ہماری زبان" میں سے لکھے اور اپنی بے احتیاطی کا کھلا ثبوت یوں فراہم کرے ؟ (عجیب جو)

## میر نظام الدین ممنون دہلوی

"ہماری زبان" مورخہ یکم فروری ۶۴ء میں جو یر ڈنگی صاحب کا سوال دیکھا، مقصد واضح نہیں ۔ بہرحال اس سلسلے میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ میر نظام الدین ممنون کے والد کا نام میر قمرالدین تھا منت تخلص کرتے تھے ۔ ممنون اور منت دونوں کے حالات مختصراً "دستور الفصاحت" میں ملتے ہیں ۔ مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے "دستور الفصاحت" میں حاشیہ پر ان کتابوں کا بھی حوالہ دے دیا ہے جن میں ممنون اور منت کے حالات مل سکتے ہیں ۔ ان کے علاوہ قدیم تذکروں قلمی بیاضوں اور لغات میں ممنون اور منت کا کافی کلام ملتا ہے اور ان کا اچھا ذخیرہ علی گڑھ میں موجود ہے ۔

ان کے دیوان کے متعلق رام بابو سکسینہ کا قول ہے کہ بہت کمیاب ہیں ۔ ممنون کی زندگی ہی میں کچھ غزلیں ان کے والد منت کے نام سے مشہور ہو گئیں اور انھیں کو بعض تذکرہ نویس ممنون کی طرف بھی منسوب کرتے رہے ۔

محمد انصار اللہ نظر نے "شمع ادب" سلطان پور میں میر قمرالدین منت کے حالات وغیرہ اکتوبر و نومبر سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع کئے تھے ۔ وہ بھی دیکھے جانے چاہئیں ۔

(اشفاق حسین کانپور)

## جنتا لائبریری برہان پور میں اعزازیہ

برہان پور جنتا لائبریری ہال میں ایڈیٹر ماہنامہ "زنجیر" بھوپال جناب کیفی بھوپالی اور جناب قاسم نیازی صاحب کے اعزاز میں دس بجے شب ایک مخصوص شعری نشست منعقد ہوئی، جس کی صدارت جناب وصی عارف صاحب نے فرمائی۔ حضرت خلیق نے معزز مہمانوں کا تعارف کرایا۔ معزز مہمانوں سے کئی بار ان کا کلام سنا گیا۔ مقامی شعراء میں حضرت خلیق برہان پوری، وصی عارف صاحب، اقبال نصیب، شباب مظہر، عزیز الدین عزیز، روش انصاری، ایس سی، یعقوب صادق اور منصور دارثی نے شرکت فرمائی۔ شعر و سخن کی یہ پُر کیف محفل ۱۲ بجے شب تک جاری رہی۔

(اقبال نصیب سکریٹری جنتا لائبریری)

## ساگر میں عید ملاپ

انجمن ترقی اُردو ساگر کے زیر اہتمام ۷ ارفروری ۶۴ء کو ۵ بجے شام جشن عید منایا گیا اور دعوت عصرانہ دی گئی جس میں شہر کے معزز اصحاب کے علاوہ حکام شہر نے شرکت فرمائی۔ اس یک جہتی اور میل ملاپ کے مظاہرے کو ہر طبقے اور جماعت نے پسند کیا۔

جناب محمد حسین خاں تہور سکریٹری انجمن نے مہمانوں کو عید کی مبارک باد پیش کی اور انجمن کا تعارف کراتے ہوئے عید، دیوالی اور دیگر اہم تہواروں کے مواقع پر اس طرح کے جلسوں کی اہمیت پر زور دیا اور تجویز پیش کی کہ آئندہ ہولی پر بھی ایسا ہی خوشی کا جلسہ منایا جائے جس کی سب نے تائید کی۔ عصرانے کے بعد نظم خوانی کے ساتھ آپس کے میل جول اور محبت پر مختصر تقریریں کی گئیں۔ مہمانوں نے ایک دوسرے کو عید کی مُبارک باد پیش کی۔

سیٹھ ڈالچند جین، صدر میونسپل کمیٹی۔ پنڈت گوری شنکر پاٹھک صدر کانگریس کمیٹی۔ کلکٹر صاحب ضلع ساگر۔ ڈی ایم صاحب، جناب محمود رضا خاں صاحب ڈی ایف او، سیٹھ حاجی محمد شفیع صاحب ایم ایل اے و صدر جمعیۃ علماء ساگر۔ شری پرشوتم لعل رودرن نائب صدر میونسپل کمیٹی۔ ڈاکٹر ایل این شکلا کارہی، وکیل سردار اجاگر سنگھ، سیٹھ علی محمد صاحب۔ ... الدین فاروقی اور جناب محمد بقا اللہ صاحب ممتاز شرکا میں سے تھے۔

آخر میں جناب سیٹھ محمد شفیع صاحب نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس جشن عید کے انعقاد میں جناب سیٹھ امانت حسین ... سیٹھ محمد حبیب صاحب، محمد یوسف کھتری اور ... جمالی نے نمایاں حصہ لیا جس کی انجمن بیحد شکر گزار ہے۔

(محمد یوسف کھتری)

## غالب کا مجسمہ

حال ہی میں ہندوستان کے ایک نوجوان فنکار، تارو (طارق ایم سید) نے پہلی بار غالب کا مجسمہ تیار کیا ہے۔ سید نے یہ کوشش کی ہے کہ اس مجسمے میں غالب کی شخصیت کی وہ ساری خصوصیات سمٹ آئیں جنھوں نے اُسے یہ عظمت اور مقبولیت بخشی ہے اور جن کی وجہ سے وہ ایک تہذیبی علامت بن گیا ہے۔

غالب کے اس مجسمے کی تصاویر مختلف انگریزی اُردو اخبارات اور رسائل میں یوم غالب پر شایع ہوئی ہیں۔ اس مجسمے کا تعارف اکبر علی خاں ایڈیٹر نگار رام پور نے تحریر کیا ہے جو ان تصاویر کے ساتھ شایع ہوا ہے۔

اس مجسمے کی نقاب کشائی رام پور میں کی جا رہی ہے ریاست رام پور سے اس عظیم فنکار کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے اور اسی دربار سے ۱۸۵۷ء کے بعد شاعر کے سخت ایام میں دستگیری ہوئی ہے۔

## لکھنؤ میں ریاستی آرکائیوز

بحوالۂ نیشنل ہیرلڈ، معلوم ہوا ہے کہ یوپی سرکار نے لکھنؤ میں ایک ریاستی آرکائیوز کے قیام کے لئے ایک اعلیٰ منصوبہ تیار کیا ہے۔

آرکائیوز کی عمارت چار حصّوں میں تعمیر ہو گی۔ امید کی جاتی ہے کہ پہلا حصہ جس پر ۲۰ء۷ لاکھ روپیہ صرف ہو گا اس سال کے آخر تک مکمل ہو جائیگا۔ عمارت کی تعمیر کیلئے زمین ریاستی حکومت نے پہلے ہی حاصل کر لی ہے۔

## مشرقی تعلیمات کے لئے تحقیقاتی مرکز

بحوالۂ نیشنل ہیرلڈ معلوم ہوا ہے کہ امریکہ کی ہندوستانی امریکی سوسائٹی جو مشرقی تعلیمات پر تحقیقاتی کام کر رہی ہے عنقریب مشرقی تعلیمات کے مطالعہ اور تحقیقات کے لئے بنارس میں ایک مرکز قائم کرنے والی ہے۔ مجوزہ اسکیم پر قریب قریب ڈیڑھ کروڑ روپیہ خرچ ہو گا۔ امید کی جاتی ہے کہ ستمبر کے آخر تک یہ اسکیم آخری شکل اختیار کرے گی اس کام کے لئے موقع کی اراضی کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔

## سنہ ۱۹۶۶ء تک کل سرکاری کام ہندی میں

مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ نے وقفۂ سوالات کے درمیان ریاستی اسمبلی کو بتایا کہ مدھیہ پردیش کی سرکار ایک اسکیم پر غور کر رہی ہے جس کی رو سے سنہ ۱۹۶۶ء تک تمام کام ہندی میں منتقل کر دیا جائے گا۔

ضمنی سوالات کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ریاستی ریونیو بورڈ کا کام ہندی میں ہی ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے لکشمی نارائن گپتا کے جواب میں وزیر تعلیم ڈاکٹر شرما نے بتایا تھا کہ ریونیو بورڈ کا کام انگریزی اور ہندی دونوں میں ہوتا تھا۔

# پرنسپل مہادیو پرشاد صاحب اگروال کی تقریر

۱۳؍جنوری ۱۹۶۲ء کو صوبۂ مدھیہ پردیش کے سب سے قدیم تعلیمی ادارہ ـــ (رابرٹ سن کالج) ـــ مہاکوشل آرٹس مہاودیالیہ جبلپور ـــ کی فارسی و اُردو بزم ادبیات کے زیر اہتمام پروفیسر امین چند صاحب شرما ـــ صدر شعبۂ اُردو فارسی ـــ جبلپور یونیورسٹی ـــ کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں جناب پرنسپل مہادیو پرشاد صاحب اگروال نے طلبہ اور پروفیسروں کو خطاب کیا۔ پروفیسر شیخ فرید نے ہندی کے جید عالم جناب اگروال صاحب کی علمی و ادبی قابلیت اور اُردو زبان و ادب سے ان کے قلبی لگاؤ، فطری شغف اور عمیق مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ موصوف کی مساعی جمیلہ سے اس قدیم تعلیمی ادارہ میں گزشتہ سال سے اُردو میں ایم۔ اے کلاسز کا اجراء ہوا ہے۔ اس کے بعد جناب اگروال صاحب نے اُردو میں نہایت بصیرت افروز تقریر فرمائی اور نہایت "حق گوئی و بیباکی" سے مسائل کا جائزہ لیا۔

موصوف نے اُردو زبان و ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اُردو اور ہندی کے قدیم لسانی رشتوں اور خاندانی روابط کا ذکر کیا۔ آپ نے بتلایا کہ "اُردو اور ہندی دونوں سگی بہنیں ہیں۔ اُردو نے اپنی آرائش اور زینت عربی و عجمی زیورات سے کی اور ہندی نے ہندوستانی اسباب سے اپنے آپ کو سنوارا۔"

فارسی کے تتبع میں اُردو ادب کا جو معتدبہ حصہ اور قابل فخر سرمایہ ہے، اور بالخصوص عشقیہ شاعری۔ اس کے متعلق آپ نے عوام کی غلط فہمیوں کا ذکر کیا کہ "عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اُردو ادب حسن و عشق کی داستان تک محدود ہے۔ وہ گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے گرد گھومتا ہے۔"

اس اعتراض کی تردید میں آپ نے اُردو شاعری میں عشق کی اہمیت و کیفیت اور اس کی معنوی وسعت کا ذکر کیا اور مختلف شعراء کے کلام سے اپنے بیان کی توضیح کی۔ آپ نے فلسفہ، اخلاقیات، تصوف، سیاست، عمرانیات وغیرہ موضوعات پر اُردو شعراء کے کلام کے ذخیرہ سے چند اشعار پیش کئے۔ اُردو ادب میں وطن پرستی اور قومیت کے متعلق قابل فخر سرمایہ کا ذکر کرتے ہوئے اسے "قومی یک جہتی کی بہترین مثال اور آلہ" قرار دیا۔

جناب اگروال صاحب نے اپنے خطبہ میں چند بڑی پتہ کی باتیں کہیں۔ آپ نے بتلایا کہ "زبان خواہ وہ کوئی زبان ہو کسی خاص فرقے یا مذہب کی زبان نہیں ہوتی۔"

اُردو کی تہذیب، ارتقاء، ترویج و اشاعت میں ہندوؤں کے حصہ کا ذکر کرتے ہوئے قدیم زمانہ سے عصر حاضر تک کے تمام ممتاز اہل قلم اور شعراء کا حوالہ دیا۔

اس امر پر آپ نے بار بار زور دیا کہ "ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر اُردو کو بنایا، سنوارا اور نکھارا ہے۔ یہ زبان ہندوستان کی زبان ہے اور اس پر ہر ہندوستانی کا پورا پورا حق ہے۔"

رسم الخط کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے نہایت مدلل طریقہ سے آگاہ کیا کہ "رسم الخط کی تبدیلی کسی بھی طرح مفید نہیں۔ اس تبدیلی سے زبان کا مزاج اور اسلوب مجروح ہو جائے گا۔"

اُردو کے غیر ملکی سرمایہ پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے آپ نے اُردو اور ہندی کے ایک دوسرے پر اثرات کا ذکر کیا کہ اُردو سے ہندی نے رباعی، غزل اور ترنم لیا اور اُردو نے ہندی سے گیت اور ہندوستانی مزاج لیا۔ اُردو کے ممتاز شاعر و نقاد فراق گورکھپوری کی روپ ـ رباعیات کے مجموعہ کو ہندوستانی کلچر اور مزاج کا اُردو میں بہترین نمونہ قرار دیا۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ "ہندی کو ہندی کی طرح اور اُردو کو اُردو کی طرح ترقی کرنا چاہیئے۔" جلسے کے اختتام پر پروفیسر شرما نے معزز مہمان اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (ابوالدعا سعید انصاری کرشی)

## فارم ۱۷

دیکھو رول ۸

اخبار ہماری زبان علی گڑھ

| | |
|---|---|
| ۱ ـ مقام اشاعت | سلطان جہاں منزل علی گڑھ |
| ۲ ـ نوعیت اشاعت | ہفتہ وار |
| ۳ ـ نام پرنٹر | ضمیرالدین قریشی |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | مسلم ایجوکیشنل پریس محلہ اسرائیلان علی گڑھ |
| ۴ ـ نام پبلشر | نذیر حسن |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ |
| ۵ ـ نام ایڈیٹر | پروفیسر آل احمد سرور |
| قومیت | ہندوستانی |
| پتہ | شبلی روڈ، علی گڑھ |
| ۶ ـ نام پتہ مالک اخبار | انجمن ترقی اُردو ہند سلطان جہاں منزل علی گڑھ |

میں نذیر حسن تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۶۲ء — نذیر حسن

## بقیہ نیشاپوری خاندان کے شعرا

انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی کے مقاصد کو بھی موضوع شاعری بناتے ہیں اور خوب مضامین پیدا کرتے ہیں۔

مجموعۂ حقائق قدرت ہے آدمی
مطلب سمجھے پیر خود اس کتاب کا

ترقی باوجودیکہ دُنیا کے حادثات سے بہت متاثر ہیں لیکن قنوطی بالکل نہیں، وہ ہر کام کے لئے کسی امید کا وجود بہر حال ضروری خیال کرتے ہیں۔

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل
پھر کس امید پہ کوئی تم سے لگائے دل

ان کے بعض اشعار ضرب المثل بھی ہو گئے ہیں مثلاً

دُنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

ترقی کے صاحب زادہ حیدر کی صرف ایک غزل ہمارے سامنے ہے، حیدر چونکہ برق شاگرد ناسخ کے شاگرد تھے ان کے کلام میں لکھنوی شاعری کی اکثر خصوصیات ملتی ہیں وہ محبوب کے اعضاء بدن کو مرکز فکر و خیال بناتے ہیں، ایک شعر یہ ہے۔

نہ کبھی حور، نہ انساں، نہ پری نے دیکھیں
چشم بد دور جو اس شوخ نے پائیں آنکھیں

حیدر اپنے استاد کی طرز میں غزل کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ انھوں نے برق کا انداز سخن پایا تھا۔

برق کا طرز جو حیدر کے سخن نے پایا
اس سے محفل میں کسی نے نہ ملائیں آنکھیں

مقطع میں لفظ "طرز" مذکر نظم ہوا ہے، شعرائے دہلی اسے مونث باندھتے تھے۔ حیدر اور ترقی کے طرز کلام کا یہ فرق اُردو شاعری کے بدلتے ہوئے انداز کا مظہر ہے۔

عاشق خلف حیدر معنی آفرینی پر بہت زور دیتے ہیں صنائع لفظی کے استعمال سے انھیں خاص دل چسپی ہے بات میں بات پیدا کرنا اور ہر بات کے لئے دلائل فراہم کرنا ان کی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے۔

اُمید نامہ نے لی جان آخر
مرا لکھنے کے قابل ماجرا ہے

اس لئے ہے ترے ابرو کا تصور دل میں
سینہ کینے کو ہو کعبہ تو ہے محراب کہاں

مجھ کو حیرت ہے عجب دریا ہے اس کوزے میں بند
اشک تھا آنکھوں میں جب ٹپکا سمندر بن گیا

شعرائے لکھنؤ کا دستور تھا کہ وہ محبوب کی ظاہری آرائش اس کے زیورات اور ملبوسات کی بہت مبالغہ آمیز تعریف کرتے تھے، عاشق بھی اس روایت پر قائم ہیں۔

رنگ دکھلاتا ہے پرتو روئے آتشناک کا ("دکھلانا" مذکر ہے)
پھول سونے کی نظر آتا ہے تنکا ناک کا
کل تو تھی سونے کی بالی آج بنوائی ہے نتھ
میرے مرنے سے بڑھایا اس نے زیور ناک کا

لکھنؤ کی تعریف میں، ناسخ نے کئی غزلیں لکھی ہیں عاشق کا دیوان بھی اس سے خالی نہیں، انھیں بھی لکھنؤ سے محبت ہے۔ کہتے ہیں۔

پاؤں تھکتے ہی نہیں اس راہ میں
دل کھنچا جاتا ہے سوئے لکھنؤ

لکھنؤ کی مخصوص زبان استعمال کرتے ہیں۔ بعض بعض مصرعے ایسے کہہ دئے ہیں کہ ضرب المثل ہو کر رہ گئے۔

چور چوری سے گیا کیا ہیرا پھیری سے گیا
دور سے دیکھ آتے ہیں جب سے پچلکا ہو گیا

رعایت لفظی کا شوق لکھنوی طرز شاعری کا خاصہ ہے عاشق کے یہاں بھی یہ شوق اس حد تک ہے کہ بعض اشعار تقریباً مہمل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

لڑائی وصل میں سونے پہ لے بری ہو جائے
ہمارے آپ کے یہ جنگ زرگری ہو جائے

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اردو غزل کا مزاج کس قدر تیزی کے ساتھ بدل گیا، عشق کی داخلی کیفیات حسن واقعی کی کشش، تصوف کے خیالات، زندگی سے متعلق مفید مضامین وغیرہ اب کم تر نظم ہو رہے ہیں، ان نوابین کے زیر اثر جو شعرا رہے ان کے کلام میں بھی وہی خصوصیات پنپ سکی تھیں جو ان کے کلام میں موجود تھیں کہ ان ہی باتوں سے انھیں دل چسپی تھی۔

ﻠﮧ دل چسپ بات یہ ہے کہ ترقی کا یہ مطلع بہ تغیر معمول سینما کے ایک گانے میں بھی شامل ہو گیا ہے۔

## شاخ انجمن رانچی کا اعلان

انجمن ترقی اُردو رانچی کی جانب سے ۲۴ فروری ۶۴ء کو "یوم آزاد" منایا جانے والا تھا، چند اہم وجوہات کی بنا پر اب اپریل کے مہینہ میں منایا جائے گا۔
تاریخ کا اعلان بہت جلد کر دیا جائے گا۔
(انور عابدی - انچارج نشر و اشاعت)

## شکر نگر میں عید ملاپ

انجمن ترقی اُردو، شاخ بودھن کی طرف سے عید ملاپ کے سلسلے میں ۱۶ فروری کو حاجی سید عبد المعین صاحب کے مکان واقع شکر نگر میں ایک ادبی نشست، جناب عبد الرشید صاحب رنگین کی صدارت میں ترتیب دی گئی۔ ساغر حیدرآبادی معتمد انجمن نے عید کی مبارکباد پیش کی۔ صدر الدین فرخ اور شاہد قادری نے اپنے افسانے سُنائے، محفل شعر میں رنگین، منصف، ساغر، سالک، ظفر، خلیل، ساکر، شیدا، عاجل اور عسکر نے حصہ لیا۔ اس کے بعد بیت بازی کا مقابلہ منعقد ہوا یہ خوشگوار اور پُرمسرت ادبی محفل رات کے ڈیڑھ بجے ختم ہوئی۔

## لندن یونیورسٹی میں اعلیٰ پیمانہ پر اُردو زبان کی "ریسرچ"

(بحوالہ موج حیدرآباد) حیدرآباد کے جواں سال افسانہ نگار و صحافی مسٹر نصیر اختر صدیقی نے لندن سے واپسی پر ایک خیر مقدمی جلسے میں انکشاف کیا کہ لندن یونیورسٹی کے آفریشیائی ادارہ میں اعلیٰ پیمانے پر اُردو زبان کی ریسرچ ہو رہی ہے اور ڈاکٹر عبادت بریلوی اور فیض احمد فیض کی نگرانی میں انگریز، یوروپین اور آفریشیائی طلبہ ادب عالیہ اور اُردو کے قدیم شعراء پر اعلیٰ معیاری اور تحقیقی مقالے تیار کر رہے ہیں۔ لندن مجلس کی طرف سے انتہائی معیاری پیمانے پر شعر و شاعری کی محفلیں بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں جس میں بڑی دلچسپی اور سرگرمی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ انگلستان سے "مشرق" اور "ایشیا" دو اُردو ہفتہ وار شائع ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فیض احمد فیض بہت جلد ایک ماہنامہ "میکش لندن" جاری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔
نصیر اختر صدیقی کے خیر مقدمی جلسے کا انتظام "بزم میکش" یوتھ لٹریری اینڈ کلچرل سوسائٹی، عوامی ادبی سوسائٹی اور سوشیل ایجوکیشن سنٹر نے کیا تھا۔ جلسے کے بعد محفل شعر و سخن منعقد ہوئی۔

## ریاست میسور میں چالیس لاکھ اُردو بولنے والے

(بحوالہ موج حیدرآباد) میسور اسٹیٹ۔ انجمن اسلام بیجاپور کی ایک یادداشت کے مطابق ریاست میسور میں اُردو بولنے والوں کی تعداد چالیس لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ یادداشت کے جواب میں چیف منسٹر میسور نے ریاست کے اُردو بولنے والے علاقوں میں اُردو کو کنڑی کے برابر سرکاری اغراض کے لئے استعمال کرنے کی طرف عہدہ داروں کو متوجہ کرنے کا تیقن دلایا ہے اور اُردو کے تعلق سے حکومت کے تازہ فیصلے پر جلد عمل کرنے کا تیقن دلایا۔

## محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ آندھرا پردیش اور اُردو

(بحوالہ موج حیدرآباد) حکومت آندھرا پردیش نے اُردو کو دوسری علاقائی زبان کی حیثیت دی ہے۔
حیدرآباد کے لوگوں کی اکثریت اُردو زبان سے واقف ہے اور یہی زبان یہاں کی عام بول چال کی بھی ہے۔ لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ محکمۂ اطلاعات کے اسٹال میں جو قومی، دفاعی اور صنعتی تصاویر کی نمائش کی گئی ہے ان تصاویر کے نیچے تفصیلات صرف تلگو اور انگریزی میں ہیں۔
حیدرآباد کے بہت سے اُردو داں انگریزی اور تلگو سے ناواقف ہیں۔ اگر واقف بھی ہیں تو وہ اُردو کو جتنی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں ان زبانوں کو نہیں۔
اسی طرح ریاست آندھرا پردیش کے دوسرے سرکاری اسٹالوں میں بھی اُردو غائب ہے۔ مرکزی محکمۂ اطلاعات کی جانب سے قائم کردہ اسٹال میں بھی اُردو میں کوئی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

## مرتضیٰ پور میں مشاعرہ

مرتضیٰ پور (ضلع اکولہ) میں بزم اُردو ادب مرتضیٰ پور کی جانب سے کل برار اُردو و ہندی مشاعرہ، برار کے مشہور کہنہ مشق شاعر حضرت قیصر بدنیروی کی صدارت میں ہوا۔
مشاعرے میں پروفیسر خلیل شارق، پروفیسر شاہ الرحمٰن خاں منشا، بشیر احمد شہید ایم۔ اے، ابراہیم نسل دسیل، مصور کارنجوی، جوش، افسر، رونق، سرخاب، درد، فراق عارفی، طالب شادانی، شمیم شاد کے علاوہ برار کے تقریباً سبھی مشہور شعراء شریک تھے اور ہندی کے بھی مشہور کوی تھے۔ اناؤنسر کے فرائض جہانگیر جوہر نے انجام دئے اور یہ مشاعرہ رات کے ۹½ بجے سے شروع ہو کر ٹھیک ۲ بجے ختم ہوا۔
(جہانگیر جوہر سکریٹری بزم اُردو ادب)

## قرآن کا قدیم ترین نسخہ

(بحوالہ نیشنل ہیرلڈ) برطانی عجائب گھر کو قرآن کا ایک قدیم ترین نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ اس کے پہلے ورق کی پشت پر کتابت کی تاریخ سنہ ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء پڑی ہوئی ہے۔ استنبول یونیورسٹی کی لائبریری میں کوفی خط میں لکھا ہوا جو نسخہ ہے اس پر کتابت کی تاریخ سنہ ۲۶۱ھ لکھی ہوئی ہے۔ اب تک اسی کو سب سے قدیم نسخہ سمجھا جاتا تھا۔

ضیاء احمد بدایونی

# تبصرے

## عبقریتِ محمد

مترجمہ فروغ احمد

ملنے کا پتہ۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور

قیمت۔ دو روپے۔

یہ کتاب مصر کے ایک اہل قلم عباس محمود العقاد کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جس میں مصنف علام نے حضرت نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے مثلاً آنحضرتؐ ایک داعیٔ حق، ایک سیاسی ماہر، ایک مہربان شوہر، ایک شفیق باپ، ایک عظیم انسان کی حیثیت سے۔ ہر باب ایک مختصر انشائیہ ہے جو اپنے مدلّل اور پُر اثر انداز کے باعث دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ترجمہ اس قدر رواں اور شگفتہ ہے کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ شروع میں جناب پیام شاہجہان پوری کے قلم سے ایک پُر مغز اور دل نشین تعارف ہے جس میں اعلیٰ صداقتوں کو پاکیزہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ مذہب اور اُردو کی اس مفید خدمت پر ناشرین مستحق مبارک باد ہیں۔

## اشرف المخلوقات

مصنفہ ڈاکٹر سید اختر احمد

ناشر۔ یالی اسٹڈی سرکل۔ ۲۲-۳-۶۳۴ پرانی حویلی۔ حیدرآباد (اے پی)

قیمت۔ ایک روپیہ پچاس پیسے۔

مصنف سائنس کے طالب علم رہے ہیں تاہم وہ مذہبی اقدار پر غور و فکر کرنے کے عادی ہیں۔ اس سے پہلے ان کی دو تصنیفیں "خالق کائنات" اور "اسرار کائنات" شائع ہو چکی ہیں۔ موجودہ کتاب میں انھوں نے دین کی بنیادوں۔ انسان کی فضیلت۔ اشرف المخلوقات کے معیار۔ توحید۔ حقوق اللہ۔ حقوق العباد پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کن اصولوں پر چل کر دین و دُنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ موصوف نے اس امر پر زور دیا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد حضرت رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی پاک زندگیاں ہی ہمارے لئے صحیح راہِ عمل ہو سکتی ہیں۔

## انتخاب کلام رسا

یہ انتخاب جناب رسا کے اشعار کا ہے جو جینڈگیری گیتا بھون۔ بی بلاک۔ وارڈن روڈ۔ بمبئی ۲۶ سے شائع ہوا ہے۔ قیمت ۷۰ نئے پیسے۔

مصنف دربھنگہ کے رہنے والے ہیں اور غزل سے خاص ذوق رکھتے ہیں۔ کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہے ہاں بعض شعر پُر لطف کہہ گئے ہیں۔



مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، پبلشر بدر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مُسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا